تاریخیت

سید سلیمان ندویؒ

اس باب میں تمام دنیا متفق ہے کہ اس حیثیت سے اسلام نے اپنے پیغمبر کی اور نہ صرف اپنے پیغمبر کی بلکہ ہر اس چیز کی اور اس شخص کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی حضرتؐ کی ذاتِ مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی ہے وہ عالم کے لیے مایہءِ حیرت ہے۔ ان لوگوں کو جو آنحضرتؐ کے اقوال، افعال اور متعلقاتِ زندگی کی روایت تحریر اور تدوین کا فرض انجام دیتے تھے، راویانِ حدیث و رواۃ یا محدثین اور اربابِ سیر کہتے ہیں، جن میں صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں، جب تمام سرمایہءِ روایت، تحریری صورت میں آ گیا تو ان تمام راویوں کے نام ونشان، تاریخِ زندگی، اخلاق وعادات کو بھی قیدِ تحریر میں لایا گیا جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے اور ان سب کے مجموعہءِ احوال کا نام اسماء الرجال ہے۔ مشہور جرمن ڈاکٹر سپرنگر جو ۱۸۵۴ء اور اس کے بعد تک ہندوستان کے علمی وتعلیمی صیغہ سے متعلق تھے اور ''بنگال ایشیاٹک سوسائٹی'' کے سیکرٹری تھے اور ان کے عہد میں خود ان کی محنت سے واقدی کی مغازی، وان کی کریمر کی اڈیٹرشپ میں ۱۸۵۶ء میں شائع ہوئی اور صحابہ کرامؓ کے حالات میں حافظ ابن حجر کی ''**الاصابه فی تمییز الصحابه**'' طبع ہوئی اور جنہوں نے (جیسا کہ ان کا دعوی ہے کہ وہ پہلے یورپین شخص ہیں جس نے خاص ابتدائی عربی ماخذوں سے، ''لائف آف محمدؐ'' لکھی ہے اور مخالفانہ لکھی ہے)۔ وہ لکھتے ہیں۔

''کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح ''اسماء الرجال'' کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہوا''۔(۱)

صحابہ کرامؓ کی تعداد حیاتِ نبوی کے اخیر سال حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ تھی، ان میں گیارہ ہزار آدمی ایسے ہیں جن کے نام ونشان آج تحریری صورت میں تاریخ کے اوراق میں جو خاص

انہی کے حالات میں لکھے گئے، اس لیے موجود ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہر ایک نے کم وبیش آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال وواقعات میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا ہے یعنی جنہوں نے روایت کی خدمت انجام دی ہے اور یہی سبب ان کی تاریخی زندگی کا ہے۔

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور تقریباً ۴۰ھ تک اکابر صحابہؓ عالم وجود میں رونق افزا رہے۔ ۶۰ھ تک اصاغر صحابہ کی جو عہد نبوت میں کم سن تھے خاصی تعداد موجود تھی اور صدی کے ختم ہوتے تک اس نورِ نبوت کا تقریباً ہر چراغ گل ہو گیا تھا۔ ہر شہر میں سب سے آخر وفات پانے والے صحابیوں کے نام اور سال وفات یہ ہیں۔

نمبر شمار	اسم گرامی	نام شہر	سال وفات
۱۔	ابوامامہ باہلیؓ	شام	۸۶ھ
۲۔	عبداللہ بن حارث بن جزءؓ	مصر	۸۶ھ
۳۔	عبداللہ بن ابی اوفیؓ	کوفہ	۸۷ھ
۴۔	سائب بن یزیدؓ	مدینہ	۹۱ھ
۵۔	انس بن مالکؓ	بصرہ	۹۳ھ

حضرت انس بن مالکؓ جنہوں نے اس فہرست میں سب سے آخر جگہ پائی ہے، وہ آنحضرت ﷺ کے خادمِ خاص تھے، دس برس تک متصل آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہے ہیں، وہ ۹۳ھ میں وفات پاتے ہیں۔

تابعین یعنی صحابہؓ کے تلامذہ کا دور اھ کے آغاز سے اس طرح شروع ہوتا ہے کہ گو وہ پیدا ہو چکے تھے مگر آنحضرت ﷺ کی زیارت سے محروم رہے یا بہت بچے تھے اور آنحضرت ﷺ کا فیض نہ حاصل کر سکے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن حارثؒ تابعی تقریباً ۳ھ میں قیس بن ابی حازمؒ ۴ھ میں، سعید بن مسیّبؒ ۱۴ھ میں پیدا ہو چکے تھے۔ یہ دکھانے کے لیے کہ صحابہ کے بعد گروہ در گروہ تابعین جو دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے وقائع وحالت اور احکام وقضایا کی

تعلیم وتبلیغ اوراشاعت میں مصروف تھے۔ان کی مجموعی تعداد کیا ہوگی؟ میں صرف ایک مدینہ کے تابعین کی تعداد ابنِ سعد کے حوالہ سے بتاتا ہوں۔طبقہ ءِ اولیٰ یعنی ان تابعیوں کی تعداد جنہوں نے بڑے بڑے صحابہ کو دیکھا تھا اوران سے واقعات ومسائل سنے تھے ۱۳۹ ہے۔طبقہ ءِ دوم یعنی وہ تابعی جنہوں نے مدینہ میں عام صحابیوں کو دیکھا اوران سے سنا ۱۲۹ ہیں۔طبقہ سوم کے وہ تابعین جنہوں نے متعدد یا کسی ایک صحابی کو دیکھا اوراس سے سنا ۸۷ ہیں۔اس طرح تابعین کی کل تعداد ۳۵۵ ہے۔یہ تعداد صرف ایک شہر کی ہے۔اسی سے مکہ معظّمہ،طائف،بصرہ،کوفہ،دمشق،یمن اورمصر وغیرہ کے ان تابعیوں کا اندازہ لگاؤ جواپنے اپنے شہروں میں صحابہ کرامؓ کے تلمذ کا شرف رکھتے تھے اورجن کے روز وشب کا مشغلہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کی اشاعت وتبلیغ تھی۔اس اہتمام کوخیال کروکہ ہرصحابیؓ سے جو کچھ روایتیں ہیں ان میں سے ہرایک کا شمار کرلیا گیا اوروہ گن لی گئیں۔اس سے اندازہ کروکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات واقوال کی فراہمی میں کس قدر بلیغ اہتمام کیا گیا ہے۔صحابہ کرامؓ میں سے جن اصحاب کی سب سے زیادہ روایتیں ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

شمار	اسمائے گرامی	روایتوں کی تعداد	سال وفات
۱۔	حضرت ابوہریرہؓ	۵۳۷۴	۵۹ھ
۲۔	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲۶۶۰	۶۸ھ
۳۔	حضرت عائشہ صدیقہؓ	۲۲۱۰	۵۸ھ
۴۔	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۱۶۳۰	۷۳ھ
۵۔	حضرت جابر بن عبداللہؓ	۱۵۶۰	۷۸ھ
۶۔	حضرت انس بن مالکؓ	۱۲۸۶	۹۳ھ
۷۔	حضرت ابوسعید خدریؓ	۱۱۷۰	۷۴ھ

یہی وہ لوگ ہیں جن کی روایات آج سیرت نبویؐ کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔ان کی وفات کی ''تاریخوں'' پرنظر ڈالوتو معلوم ہوگا کہ ان کی وفات کے سال اس قدر متاخر ہیں کہ ان سے فیض

اٹھانے اوران کی روایتوں کوحفظ اور تدوین کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہوگی۔ انھی باتوں کی واقفیت اورآ گاہی کا نام اس زمانہ میں علم تھااور وہ دینی اور دنیاوی دونوں عزتوں کا ذریعہ تھا۔اس لیے ہزاروں صحابہؓ نے جوکچھ دیکھااور جانا تھا آنحضرت علیہ السلام کے حکم **بلغوا عنی** (۲) (مجھ سے جوکچھ سنواور دیکھواس کی اشاعت کرو) **ولیبلغ الشاھد الغائب** (۳) (جو مجھے دیکھ رہے ہیں اور مجھ سے سن رہے ہیں وہ ان کو مطلع کر دیں جو اس سے محروم رہے ہیں) کے مطابق وہ سب اپنی اپنی اولادوں، عزیزوں، دوستوں اور ملنے والوں کو سناتے اور بتاتے رہتے تھے۔ یہی ان کی زندگی کا کام اور یہی ان کے روز و شب کا مشغلہ تھا۔اس لیے صحابہؓ کے بعد فوراً ہی دوسری نوجوان پود ان معلومات کی حفاظت کے لیے کھڑی ہوگئی۔ ان میں سے ہر ایک کو ہر واقعہ کا لفظ لفظ یاد کرنا پڑتا تھا، ان کو دہرانا پڑتا تھا اور حرفاً حرفاً محفوظ رکھنا پڑتا تھا۔ آنحضرت علیہ السلام نے جہاں اپنے اقوال اور افعال کی اشاعت کی تاکید کی تھی، وہاں یہ بھی تہدید کر دی تھی کہ ''جوکوئی میرے متعلق قصداً کوئی غلط یا جھوٹ بات بیان کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا'' اس اعلان کا یہ اثر تھا کہ بڑے بڑے صحابہ روایت کرتے وقت کانپنے لگتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک دفعہ کوئی بات نقل کی تو چہرے کا رنگ بدل گیا، تھرا گئے، پھر کہا ''حضورؐ نے ایسا ہی فرمایا تھا یا اسی کے قریب قریب فرمایا تھا''۔

عربوں کا حافظہ فطرتاً نہایت قوی تھا۔ وہ سینکڑوں اشعار کے قصیدے زبانی یاد رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ فطرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جس قوت سے جس قدر کام لیا جائے اسی قدر زیادہ اس کو ترقی ہوتی ہے۔ صحابہؓ اور تابعینؒ نے قوتِ حافظہ کو معراج کمال تک پہنچایا۔ وہ ایک ایک واقعہ اور ایک ایک حدیث کو اس طرح زبانی سن کر یاد کرتے تھے جیسے آج مسلمان قرآن مجید یاد کرتے ہیں۔ ایک ایک محدث کئی کئی ہزار اور کئی کئی لاکھ حدیثیں زبانی یاد کرتا تھا اور یاد رکھتا تھا اور گو بعد میں لوگ اپنی یادداشت کے لیے لکھ بھی لیتے تھے۔ مگر جب تک وہ زبانی یاد نہ رکھتے اہل علم کی نگاہوں میں ان کی عزت نہیں ہوتی تھی اور وہ خود اپنی تحریروں یادداشتوں کو عیب کی طرح چھپاتے تھے تاکہ لوگ ایسا نہ سمجھیں کہ ان کو یہ چیزیں یاد نہیں ہیں۔

دوستو! بعض اورنٹیلسٹ اسکالرز اور بعض پڑھے لکھے مشنریوں نے جن میں سب سے آگے سرولیم میور اور گولڈزیہر ہیں۔ اس بناء پر کہ روایاتِ نبویؐ کی تحریر و تدوین کا کام آنحضرت ﷺ کی وفات کے نوے (۹۰) برس بعد شروع ہوا۔ ان کی صحت اور وثوق میں شک پیدا کرنا چاہا ہے، مگر ہم نے جس طرح اوپر بتفصیل آپؐ کے سامنے پوری روداد رکھی ہے اور بتایا ہے کہ صحابہؓ کس طرح واقعات کو یاد رکھتے تھے۔ کس طرح احتیاط برتتے تھے، کس طرح آنے والی نسلوں کو وہ امانت سپرد کرتے تھے۔ اس سے خود اندازہ ہوگا کہ گو وہ روایات تحریری صورت میں بہت بعد کو آئی ہوں تاہم ان کی صحت اور وثوق میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔

صحابہؓ نے اپنی معلومات کو عموماً تین اسباب سے قیدِ تحریر میں لانا مناسب نہیں سمجھا۔

۱۔ ابتداً آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید کے علاوہ کسی اور چیز کو کتاب کی صورت میں رکھنے کی ممانعت کردی تھی اور فرمایا تھا کہ قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ نہ لکھو "لا تکتبوا عنی غیر القران" (۴) اور یہ اس لیے تھا کہ عام لوگوں کو قرآن اور غیر قرآن میں باہمی التباس نہ ہو جائے۔ چنانچہ جب قرآن مسلمانوں میں پوری طرح محفوظ ہو گیا تو آخر میں خود آنحضرت ﷺ نے بعض صحابہؓ کو احادیث کی تحریر کی اجازت دے دی۔ اس پر بھی اکثر صحابہؓ ان کو قیدِ تحریر میں لانے سے اخیر دم تک احتیاط برتتے رہے۔

۲۔ صحابہؓ کو ڈر تھا کہ وقائع کی تحریری صورت میں آ جانے کے بعد لوگوں کو پھر ان کے ساتھ وہ اعتنا، توجہ اور مشغولیت باقی نہیں رہے گی اور لوگ تحریری مجموعہ کے موجود رہنے کے سبب سے ان کے حفظ اور زبانی یاد رکھنے کی محنت سے جی چرائیں گے۔ یہ ڈر بالکل صحیح ثابت ہوا۔ چنانچہ جیسے سفینوں کا علم بڑھتا گیا، سینوں کا علم گھٹتا گیا، نیز اسی سلسلہ میں ان کو یہ بھی خیال تھا کہ ہر کس و ناکس کتاب کے مجموعہ کو ہاتھ میں لے کر عالم بننے کا دعویٰ کر بیٹھے گا۔ چنانچہ یہ بھی ہوا۔

۳۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ ابھی تک عرب میں کسی واقعہ کو لکھ کر اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ لوگ اس کو اپنی کمزوری کا اعلان خیال کرتے تھے اس لیے کوئی چیز تحریر بھی کر لیتے تو اس کو چھپا

کر رکھتے تھے۔

محدثین کا خیال تھا کہ زبانی یادداشت تحریری یادداشت سے زیادہ محفوظ صورت ہے۔ یادداشت کو دوسروں کے تصرف سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا، ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ کوئی اس میں کمی بیشی نہ کر دے۔ مگر جو نقوش دلوں کی لوحوں پر کندہ ہو جاتے ہیں ان میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔

آج پہلی دفعہ آپ کی مجلس میں اور سب سے پہلے آپ کی مجلس میں اس حقیقت کو آشکارا کیا جاتا ہے کہ یہ قطعاً غلط ہے کہ سو برس یا نوے برس تک وقائع و اقوالِ نبویؐ کا دفتر صرف زبانی روایتوں تک محدود رہا۔ اس غلط فہمی کا اصلی سبب یہ ہے کہ احادیث و اخبار نبویؐ کی پہلی کتاب امام مالکؒ کی ''موطا'' اور مغازی و سیرت میں ابنِ اسحاق کی ''کتاب المغازی'' سمجھی جاتی ہے۔ یہ دونوں بزرگوار ہمعصر تھے اور ان کی وفات بہ ترتیب ۱۷۹ھ اور ۱۵۱ھ میں ہوئی۔ اس لیے اخبار و سیر کی سب سے پہلی تدوین کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا اوائل سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس سے بہت پہلے احادیث و اخبار کی ترتیب و تدوین کا سراغ لگتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۱۰۱ھ میں وفات پائی وہ خود بڑے عالم تھے، مدینہ کے امیر بھی رہ چکے تھے۔ ۹۹ھ میں خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مدینہ کے قاضی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو جو حدیث و خبر کے بڑے امام تھے، فرمان بھیجا کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن و اخبار کی تحریر و تدوین کا کام شروع کر دو۔ کیونکہ مجھے رفتہ رفتہ علم کے گم ہو جانے کا ڈر ہو رہا ہے''۔ یہ واقعہ تعلیقاتِ بخاری، موطا، اور مسند دارمی وغیرہ میں مذکور ہے۔ چنانچہ اس فرمان کی تعمیل کی گئی اور اخبار و احادیث و سنن دفاتر میں لکھ کر دارالخلافہ میں آئے اور ان کی نقلیں تمام ممالکِ اسلامیہ کے مرکزی شہروں میں بھیجی گئیں۔ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کا انتخاب اس کام کے لیے اس لیے ہوا کہ وہ خود امام تھے۔ مدینۃ العلم مدینہ منورہ میں قاضی وقت تھے لیکن اس کے علاوہ اس لیے بھی یہ انتخاب موزوں تھا کہ ان کی خالہ عمرہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سب سے بڑی شاگرد تھیں اور ان کی روایتیں جو حضرت عائشہؓ سے تھیں ان کا سرمایہ ابوبکر بن حزم کے پاس پہلے سے جمع تھا۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو خاص عمرہ کی روایتوں کی تدوین کے متعلق بھی حکم دیا تھا۔

عہد نبویؐ کا تحریری سرمایہ

آگے بڑھ کر ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ خود عہد نبویؐ میں ہی اخبار و سیر اور احکام و سنن کا تحریری سرمایہ جمع ہونا شروع ہو چکا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے ایک خطبہ دیا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابو شاہؓ ایک یمنی صحابی کی درخواست پر آپؐ نے یہ خطبہ لکھ کر ان کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ آنحضرت ﷺ نے سلاطینِ عالم کے نام جو خطوط روانہ کیے وہ لکھے ہوئے تھے۔ دس پندرہ برس ہوئے کہ مصر میں آپؐ کا وہ خط جو مقوقس شاہِ مصر کے نام آپؐ نے بھیجا تھا ایک عیسائی گرجے کی کسی کتاب کی جلد میں لگا ہوا ملا ہے۔ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ بعینہٖ وہی نامہ ہے جو آپؐ نے لکھوایا تھا۔ اس کے فوٹو عام طور سے ملتے ہیں۔ یہ پرانے عربی خط میں ہے اور اس کی بعینہٖ وہی عبارت ہے اور مہر میں نام کے وہی الفاظ اور صورت تحریر ہے جس طرح حدیثوں میں بیان آیا ہے۔ یہ اسلامی روایات کی کتنی بڑی صداقت کی دلیل ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے سوا مجھ سے زیادہ کسی کو حدیث یاد نہیں۔ مجھ سے زیادہ ان کے پاس حدیثوں کا سرمایہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے جو کچھ سنتے اس کو لکھتے جاتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔ (۵)

ابو داؤد اور مسند ابن حنبل میں ہے کہ بعض لوگوں نے عبد اللہ بن عمروؓ سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کبھی غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی خوش رہتے ہیں؟ اور تم سب کچھ لکھ لیتے ہو؟ عبداللہ بن عمروؓ نے اس بناء پر لکھنا چھوڑ دیا اور آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے دہنِ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق نکلتا ہے"۔ (۶)

عبداللہ بن عمروؓ نے اپنے اس مجموعہ کا نام "صادقہ" رکھا تھا (۷) اور کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنی زندگی کی آرزو صرف دو چیزوں نے پیدا کر دی ہے جن میں ایک یہ صادقہ ہے اور صادقہ وہ صحیفہ ہے جو میں نے رسول اللہؐ سے سن کر لکھا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ بن عمرو صحابیؓ کے پاس ایک کتاب رکھی دیکھی۔ دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ صادقہ ہے جس کو میں نے خود آنحضرت ﷺ

سے سنا جس میں میرے اور آپؐ کے درمیان کوئی دوسرا نہیں ہے(۸)

صحیح بخاری میں ہے کہ آپؐ نے مدینہ آنے کے کچھ مدت بعد مسلمانوں کی مردم شماری کرائی اوران کے نام لکھوائے تو پندرہ سو ہوئے (باب الجہاد) زکوۃ کے احکام مختلف چیزوں پر زکوۃ اور اس زکوۃ کی مختلف شرحیں جو پورے دو صفحوں میں ہیں ان کو لکھوا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء کو بھیجا تھا اور وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس ابوبکر بن عمرو بن حزم کے خاندان میں اور متعدد اشخاص کے پاس موجود تھیں۔(۹)

زکوۃ کے محصلین کے پاس دیگر تحریری ہدایتیں بھی موجود تھیں (۱۰) حضرت علیؓ کے پاس ایک صحیفہ تھا جو ان کی تلوار کے نیام میں پڑا رہتا تھا اس میں متعدد حدیثیں متعلقہ احکام قلمبند تھیں اور انہوں نے اس کو لوگوں کی درخواست پر دکھایا۔(۱۱)

حدیبیہ میں جو صلح نامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کفارِ قریش کے درمیان حضرت علیؓ نے لکھا تھا اس کی ایک نقل قریش نے لی اور ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس رکھی۔(۱۲)

عمرو بن حزم کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ایک تحریر لکھوا کر حوالے کی، جس میں فرائض، صدقات، دیات وغیرہ کے متعلق بہت سی ہدایتیں تھیں۔(۱۳)

عبداللہ بن الحکیمؓ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ پہنچا جس میں مردہ جانور کے متعلق حکم درج تھا۔(۱۴)

وائل بن حجر صحابیؓ جب بارگاہِ نبویؐ سے اپنے وطن حضرت موت جانے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خاص طور پر ایک نامہ لکھوا کر دیا جس میں نماز، روزہ، ربوا، شراب اور دیگر احکام تھے۔(۱۵)

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مجمع سے پوچھا کہ کسی کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کی دیت میں سے بیوی کو کیا دلایا؟ ضحاک بن سفیان نے کھڑے ہو کر کہا، مجھے معلوم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ لکھوا کر بھیجا تھا۔(۱۶)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد خلافت ۹۹ھ، ۱۰۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

فرمان متعلقِ صدقات کی تلاش کے لیے اہلِ مدینہ کے پاس قاصد بھیجا تو وہ آلِ عمرو بن حزم کے ہاں مل گیا۔(۱۷)

آپؐ نے اہلِ یمن کو جو احکام لکھوا کر بھجوائے تھے، ان میں یہ مسئلے تھے۔قرآن صرف پاکی کی حالت میں چھوا جائے، غلام خریدنے سے پہلے آزاد نہیں کیا جا سکتا اور نکاح سے پہلے طلاق نہیں (۱۸)

حضرت معاذ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھ کر غالباً یمن سے یہ دریافت کیا کہ کیا سبزیوں میں زکوٰۃ ہے؟ آپؐ نے تحریری جواب دیا کہ سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں۔(۱۹)

مروان نے خطبہ میں بیان کیا کہ مکہ حرم ہے۔رافع بن خدیج صحابیؓ نے پکار کر کہا ''مدینہ بھی حرم ہے اور یہ حکم میرے پاس لکھا ہوا موجود ہے۔اگر تم چاہو تو میں اس کو پڑھ کر سناؤں۔(۲۰)

ضحاک بن قیس نے نعمان بن بشیر صحابیؓ کو لکھا کہ آنحضرت جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ کے سوا اور کون سی سورۃ پڑھتے تھے؟ انہوں نے جواب لکھا کہ ھل اتاک. (۲۱) حضرت عمرؓ نے عتبہ بن فرقد کو خط لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حریر پہننے سے منع فرمایا ہے۔(۲۲)

یہ وہ احکام و مسائل ہیں جو آنحضرتؐ نے مختلف لوگوں کو لکھوا کر دیئے یا بھجوائے۔ ہمارے پاس ایسے شواہد بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے صحابہ احکام و سنن کو کتابی صورت میں لائے یا لانا چاہا۔حضرت ابوبکرؓ نے ایک مجموعہ اپنے زمانہ خلافت میں مرتب کیا۔ پھر اس کو پسند نہ کیا اور مٹا دیا۔(۲۳)

حضرت عمر نے اس مسئلہ پر اپنے زمانہ خلافت میں غور کیا اور بہت کچھ سوچتے رہے۔مگر پھر ہمت نہ کی۔ابھی آپ سن چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ایک نسخہ لکھا تھا، جس میں آپ کے ملفوظات تھے۔مختلف لوگ اس کو دیکھنے آتے تھے اور وہ اس کو دکھاتے تھے۔(۲۴)

حضرت علیؓ کے فتاویٰ کا بڑا حصہ لکھا ہوا حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں لایا گیا (۲۵)

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایتوں کے مختلف تحریری مجموعے تھے، اہلِ طائف میں سے کچھ ان کا ایک مجموعہ ان کو پڑھ کر سنانے کے لیے لائے (۲۶) سعید بن جبیر ان کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے، (۲۷) عبد اللہ بن عمرو کا صحیفہ ''صادقہ'' ان کے پوتے عمرو بن شعیب کے پاس موجود تھا (۲۸) اور یہ بے چارے اس لیے ضعیف سمجھے جاتے تھے کہ وہ اپنے دادا کی کتاب دیکھ کر روایت کرتے تھے، خود حافظ نہیں ہیں۔ (۲۹) حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایتوں کا مجموعہ وہب تابعی نے تیار کیا تھا جو اسمعیل بن عبدالکریم کے پاس تھا اور وہ اس لیے ضعیف سمجھے جاتے تھے (۳۰) حضرت جابرؓ کی روایتوں کا دوسرا مجموعہ سلیمان بن قیس یشکری نے تیار کیا تھا۔ اور ابوالزبیر، ابوسفیان اور شعبی نے جو آئمہ حدیث میں ہیں اور تابعی ہیں۔ حضرت جابر کے صحیفہ کو ان سے سنا تھا (۳۱) سمرہ بن جندب صحابیؓ سے ان کے بیٹے سلیمان روایتوں کا ایک نسخہ روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کے بیٹے حبیب (۳۲) حضرت ابو ہریرہؓ جن سے زیادہ صحابہ میں کوئی حافظِ حدیث نہ تھا۔ ان کی روایتوں کا کچھ مجموعہ ہمام بن منبہ نے تیار کیا تھا جو صحیفہ ہمام کے نام سے احادیث میں مشہور ہے۔ اس کو امام ابن حنبل نے مسند جلد ۲ ص ۳۱۲ سے صفحہ ۳۱۸ تک نقل کیا ہے۔ بشیر ابن نہیک نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ان کی روایتوں کا مجموعہ لکھا اور پھر اس کی روایت کی ان سے اجازت لی۔ (۳۳) حضرت ابو ہریرہؓ ایک دفعہ ایک صاحب کو اپنے مستقر پر بلا کر لائے اور دکھایا کہ یہ اوراق میرے مرویات ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ کے نہیں بلکہ کسی اور کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ (۳۴)

حضرت انسؓ دوسرے صحابی ہیں جن سے بکثرت روایتیں ہیں، وہ خود اپنے بیٹوں سے کہا کرتے تھے کہ ''میرے بچو! علم کو تحریری قید و بند میں لاؤ'' (۳۵) ابان ان کے شاگرد ان کے سامنے بیٹھ کر ان کی روایتیں قیدِ تحریر میں لایا کرتے تھے (۳۶) سلمیٰ ایک خاتون کہتی ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو دیکھا کہ وہ ابو رافع آنحضرت ﷺ کے غلام سے آنحضرت ﷺ کے کارنامے لکھا کرتے تھے (۳۷) واقدی سیرت نبویؐ کے ابتدائی مصنفین میں سے ایک سے بیان کرتا ہے کہ منذر بن ساوی رئیس عمان کے نام آنحضرتؐ نے جو خط بھیجا تھا وہ ابن عباس کی کتابوں کے ساتھ میں نے دیکھا

(۳۸)غزوۂ بدر کا مفصل حال عروہ بن زبیرؓ نے لکھ کر خلیفہ عبدالملک کو بھیجا تھا۔ (۳۹)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرت کے خادمِ خاص تھے اور ان کو آنحضرتؐ کی بارگاہ میں حاضری کا اذنِ عام تھا۔ ان کو شکایت تھی کہ لوگ میرے پاس آ کر سن جاتے ہیں اور پھر اس کو جا کر لکھ لیتے ہیں اور میں قرآن کے سوا کسی اور چیز کے لکھنے کو حلال نہیں جانتا (۴۰) سعید بن جبیر تابعی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ابن عباس سے رات کو روایتیں سنتا تھا تو پالان پر لکھتا تھا، صبح کو پھر میں اس کو صاف کر لیتا تھا (۴۱) براء بن عازب صحابیؓ کے پاس لوگ بیٹھ کر ان کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے (۴۲) نافع جو حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں ۳۰ برس رہے تھے۔ وہ اپنے سامنے لوگوں کو لکھوایا کرتے تھے (۴۳) عبداللہ بن مسعودؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن ایک کتاب نکال لائے اور قسم کھا کر کہا کہ یہ خود حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے (۴۴) سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ہم لوگوں میں بعض باتوں میں اختلاف ہوتا تھا تو ان کو لکھتے تھے۔ پھر حضرت ابن عمرؓ کے پاس اس یادداشت کو چھپا کر لاتے تھے۔ ان سے پوچھتے تھے۔ اگر ان کو اس پتہ چل جاتا تو بس ہمارے ان کے درمیان فیصلہ ہی تھا (۴۵) اسود تابعی کہتے ہیں کہ مجھ کو اور علقمہ کو ایک صحیفہ مل گیا اس کو لے کر ہم حضرت ابن عمرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے مٹا دیا (۴۶) حضرت زید بن ثابتؓ کاتبِ وحی تھے، ان کو بھی روایتوں کو تحریر میں لانے سے انکار تھا تو مروان نے یہ تدبیر کی کہ ان کو سامنے بٹھایا اور پردہ کے پیچھے کاتب مقرر کیے کہ وہ جو بولتے جائیں یہ لکھتے جائیں (۴۷) حضرت معاویہؓ نے بھی ان کی حدیث اسی طرح لکھوائی تھی لیکن وہ تاڑ گئے اور زبردستی مٹوا دی۔ (۴۸)

حضرات! شاید آپ ٹھوس واقعات اور اشخاص کے نام سنتے سنتے گھبرا اٹھے ہوں لیکن اطمینان رکھیے کہ اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے صاف اور سیدھا راستہ نظر آ رہا ہے۔ میں نے ان اقتباسات اور حوالوں میں یہ دکھایا ہے کہ تحریری سرمایہ ہی اگر دنیا میں قابلِ وثوق ہو سکتا ہے تو خود عہدِ نبوی میں صحابہؓ نے اپنے ہاتھ سے اس کو جمع کیا اور پچھلوں کے لیے یادگار چھوڑا اور پچھلوں نے اس کو اپنی کتابوں میں داخل کر لیا۔ اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صحابہؓ کی ہی زندگی میں تابعین نے ان کے تمام

مرویات، واقعات اور حالات کو ایک ایک سے پوچھ کر، ایک ایک کے دروازے پر جا کر بوڑھے، جوان، عورت، مرد سب کے تحقیق کر کے ہمارے لیے فراہم کر دیا تھا۔ محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطا بن ابی رباح، سعید بن جبیر، ابوالزناد وغیرہ سینکڑوں تابعین ہیں جنہوں نے دیوانہ وار ایک ایک گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا ور ہمارے سامنے اس کا انبار لگا دیا۔ شہاب زہری نے جو حدیث وسیرت کے بڑے امام ہیں، آنحضرت ﷺ کی ایک ایک چیز کو لکھا، ابوالزناد کہتے کہ ہم صرف حلال وحرام لکھتے رہتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے وہ سب لکھتے جاتے تھے (۴۹) ابن کیسان کہتے ہیں کہ میں اور زہری طلب علم میں ساتھ تھے۔ میں نے کہا کہ میں سنن لکھوں گا۔ چنانچہ جو کچھ آنحضرت ﷺ سے متعلق تھا، سب لکھا۔ زہری نے کہا صحابہؓ سے جو کچھ متعلق ہے وہ بھی لکھو کہ وہ بھی سنت ہے۔ میں نے کہا وہ سنت نہیں، چنانچہ میں نے نہیں لکھا، انہوں نے لکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب ہوئے اور میں برباد ہو گیا (۵۰) ان امور کو قید تحریر میں لانے والے سینکڑوں تابعی تھے جن میں سے ایک امام زہری ہیں۔ صرف ان کی تحریروں کا انبار اتنا تھا کہ ولید بن یزید کے قتل کے بعد زہری کے یہ دفتر جانوروں پر بار کر کے خزانہ سے لائے گئے تھے۔

امام زہری ۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴ھ میں وفات پائی وہ نسباً قریشی تھے، انہوں نے جس محنت کاوش اور استقصا سے آنحضرتؐ کے حالات اور اقوال جمع کیے اس کا اندازہ مؤرخین کے اس بیان سے کرو کہ ''وہ مدینہ منورہ کے ایک ایک انصاری کے گھر جاتے جوان، بوڑھے، عورت، مرد جو مل جاتا یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے جا کر آنحضرتؐ کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلمبند کرتے۔ (۵۱) اس زمانہ میں بکثرت صحابہؓ زندہ تھے۔ زہری کے تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے اور یہ کل کے کل روز وشب آنحضرت ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کی جمع وترتیب، تعلیم وتدریس اور نشر واشاعت میں مشغول تھے، یہی ان کی زندگی کا کام تھا۔ اس کے سوا دنیا کے ہر کام سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے۔

غلط فہمی کا بڑا سبب یہ ہے کہ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث وسیر کی تدوین وتحریر کا کام

تابعین نے شروع کیا۔ اور تابعین ان کو کہتے ہیں جنھوں نے صحابہؓ کو دیکھا۔ اور ان سے فیض پایا اور صحابہؓ کا زمانہ سو برس تک تقریباً رہا تو گویا تابعین کا عہد سو برس کے بعد شروع ہوا اور اس طرح گویا تدوین و تحریر کے سلسلہ کا آغاز سو برس کے بعد ہوا، حالانکہ یہ تمام تر غلط ہے۔ تابعین ان کو کہتے ہیں جنھوں نے آنحضرت علیہ وسلم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا اور صحابہؓ کی زیارت کی اور ان سے مستفید ہوئے۔ عام اس سے کہ وہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں ہوں۔ مگر زیارت کا موقع نہ ملا ہو یا عہدِ نبویؐ کے آخر میں پیدا ہوئے، اس لیے آپؐ سے فیض یاب نہ ہوئے یا آپؐ کی وفات (ربیع الاول ۱۱ھ) کے بعد پیدا ہوئے، وہ سب تابعین میں داخل ہیں، اس طرح دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ تابعین کا عہد خود آپؐ کی زندگی ہی میں اور کم سے کم یہ کہ ۱۱ھ سے شروع ہو گیا تھا۔ اس لیے ۱۱ھ سے جو کام شروع ہوا اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ تابعین نے اس کام کا آغاز کیا۔ تابعین کا کارنامہ ہونے کے لیے ایک ایک صحابی کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی ضرورت نہیں اور نہ سو برس کا زمانہ گزارنے کی حاجت ہے۔ وہ تو تابعیت کا آخری عہد ہے جس کے بعد تابعیت کے شرف کا خاتمہ ہوتا ہے کیونکہ صحابہؓ کے وجود کا خاتمہ ہو گیا جن کے دیدار کے شرف سے لوگ تابعی بنتے تھے۔ الغرض اس تفصیل سے ثابت ہوگا کہ یہ کہنا کس درجہ دھوکا ہے کہ مسلمانوں میں اخبار و سیر کی ترتیب کا کام سو برس بعد شروع ہوا۔

مسلمانوں میں اخبار و سیر اور احکام و سنن کی ترتیب اور تدوین کے درحقیقت تین دور ہیں۔ اول جب ہر شخص نے صرف اپنی ذاتی معلومات کو یکجا کیا۔ دوسرا دور وہ آیا جب ہر شہر کے معلومات ایک جگہ فراہم کیے گئے۔ تیسرا دور وہ تھا جب تمام دنیائے اسلام کے معلومات اکٹھے کیے گئے اور ان کو موجودہ کتابوں کی صورت میں جمع کیا گیا۔ پہلا دور غالباً ۱۱۰ھ تک قائم رہا۔ دوسرا دور ۱۵۰ھ تک رہا اور تیسرا دور ۱۵۰ھ سے تیسری صدی کے کچھ دنوں بعد تک قائم رہا۔ پہلا دور صحابہ اور اکابر تابعینؒ کا تھا دوسرا دور تبع تابعین کا اور تیسرا دور امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا تھا۔ پہلے دور کا تمام سرمایہ دوسرے دور کی کتابوں میں ہے اور دوسرے دور کی کتابوں کا تمام مواد تیسرے دور

کی کتابوں میں کھپا دیا گیا ہے اور دوسرے اور تیسرے دور کی کتابوں کا سرمایہ آج ہزاروں اوراق میں ہمارے پاس موجود ہے اور دنیا کی تاریخ کا سب سے گراں بہا سرمایہ اور معتبر و مستند ذخیرہ ہے جس سے زیادہ مستند اور معتبر دنیا کی تاریخ کے خزانہ میں کوئی اور ذخیرہ نہیں۔

حضرت الاستاذ علامہ شبلی نعمانیؒ کے بقول اس قسم کی زبانی روایتوں کے قلمبند کرنے کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آیا ہے، یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کیے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کا نام ونشان تک معلوم نہیں ہوتے ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لیے جاتے ہیں جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں۔ تھوڑے زمانے کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں۔ یورپ کی اکثر یورپین تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

”لیکن مسلمانوں نے اس فنِ سیرت کا جو معیار قائم کیا وہ اس سے بہت ہی زیادہ بلند تھا۔ اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا اور اگر خود نہ تھا تو شریکِ واقعہ تک تمام درمیانی راویوں کے نام بہ ترتیب بیان کیے جائیں اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کا چال چلن کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ تھے؟ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا، لیکن سینکڑوں، ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر میں گئے اور راویوں سے ملے۔ ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کیے انہی تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن ایجاد کیا جس کی بدولت کم از کم کئی لاکھ شخصوں کے حالت معلوم ہو سکتے ہیں“

یہ تو صرف روایت کے متعلق تھا۔ اصولِ تنقید اور درایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کو پرکھنے کے اصول وقواعد الگ ترتیب دیئے اور بتایا کہ کیونکر اس حیثیت سے روایتوں کی تصحیح یا تغلیط کی جا سکتی ہے۔ راویوں کی چھان بین اور تحقیق میں اس درجہ دیانتداری اور حق گوئی سے کام لیا کہ وہ واقعات

آج اسلام کے مفاخر میں ہیں۔ راویوں میں بڑے بڑے خلفاء اور امراء بھی تھے جن کی تلواروں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ مگر محدثین نے نڈر ہو کر سب کی پردہ دری کی اور ان کو وہی درجہ دیا جو اس بارگاہ میں ان کو مل سکتا تھا۔ امام وکیعؒ بڑے محدث تھے۔ لیکن ان کے باپ سرکاری خزانچی تھے۔ اس بنا پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے۔ یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس احتیاط اور حق پسندی کی کوئی حد ہے؟

مسعودیؒ ایک محدث ہیں ۱۵۴ھ میں ایک امام معاذ بن معاذ نے ان کو دیکھا کہ ان کو اپنی تحریروں یاداشت کے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انہوں نے فوراً ان کے حافظہ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کر دی۔ یہی امام معاذ بن معاذ وہ بزرگ ہیں کہ ان کو ایک شخص نے دس ہزار دینار جس کی قیمت آج دس ہزار گنی سے زیادہ ہے، صرف اس معاوضہ میں پیش کرنی چاہی کہ وہ ایک شخص کو معتبر (عدل) اور غیرِ معتبر کچھ نہ کہیں یعنی اس کے متعلق خاموش رہیں۔ انہوں نے اشرفیوں کے اس توڑے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور فرمایا ''میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا''۔ کیا تاریخ اس سے زیادہ احتیاط اور اس سے زیادہ دیانتداری کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟

اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ تمام کچا پکا، صحیح اور غلط، قوی اور ضعیف، قابلِ قبول اور نا قابلِ قبول روایتوں کا انبار آج بھی دنیا کے سامنے موجود ہے اور آج بھی ان ہی اصول کے مطابق ہر ایک واقعہ کی پوری تنقید کی جا سکتی ہے اور کھرے کھوٹے کو الگ کیا جا سکتا ہے۔

حضرات! ان خشک تحقیقات میں میں نے آپ کا بڑا وقت لیا۔ آنحضرتؐ کی سیرتِ مبارکہ کا تاریخی پہلو اب بڑی حد تک آپ کے سامنے آ گیا ہوگا۔ اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے حالات اور واقعات کا جو سرمایہ فراہم ہوا اس کے کیا کیا ماخذ قرار پائے اور اس کو کس کس طرح ترتیب دیا گیا۔ سیرتِ مبارکہ کا سب سے اہم اور سب سے مستند اور سب سے صحیح تو وہ حصہ ہے جس کا ماخذ خود قرآن پاک ہے، جس کی صحت اور معتبری میں دوست کیا دشمن بھی شک نہ کر سکے۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت کے تمام ضروری اجزاء قبلِ نبوت کی زندگی، یتیمی، غربت، تلاشِ

حق، نبوت، وحی، اعلان وتبلیغ، معراج، مخالفین کی دشمنی، ہجرت، لڑائیاں، وقائع، اخلاق، سب اس میں موجود ہیں اور اس سے زیادہ معتبر تاریخی سیرت دنیا کے پردہ پر کوئی موجود نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا ماخذ احادیث ہیں جو ایک لاکھ کے قریب ہیں جن میں صحیح الگ، کمزور الگ، اور جعلی الگ ہیں۔ صحاح ستہ کا سرمایہ ہے جس کا ایک ایک واقعہ تولا اور پرکھا ہوا ہے مسانید ہیں جن میں سب سے ضخیم امام احمد بن حنبلؒ کا مسند ہے جو چھ جلدوں میں ہے اور ان میں سے ہر جلد کی ضخامت مصر کے بڑے باریک صفحہ کے ٹائپ میں پانچ پانچ سو صفحوں سے کم نہ ہوگی۔ اس میں ایک ایک صحابی کی روایتیں الگ الگ ہیں۔ ان مجموعوں میں آنحضرت ﷺ کے حالات اور تعلیمات سب کچھ ملے جلے ہیں۔

۳۔ تیسرا ماخذ مغازی ہیں، یعنی وہ کتابیں جن میں زیادہ تر آنحضرت ﷺ کے صرف غزوات اور لڑائیوں کا حال اور ضمناً اور واقعات بھی موجود ہیں۔ ان میں مغازی، عروہ بن زبیر، المتوفی ۹۴ھ۔ مغازی ابن اسحاق متوفی ۱۵۰ھ، مغازی زیاد بکائی المتوفی ۱۵۳ھ مغازی المتوفی ۲۰۷ھ وغیرہ قدیم ہیں۔

۴۔ چوتھا ماخذ عام تاریخ کی کتابیں ہیں جن کا پہلا حصہ خاص آنحضرت ﷺ کے سوانح پر ہے۔ ان میں سب سے زیادہ معتبر اور مبسوط طبقات ابن سعد اور تاریخ الرسل والملوک امام ابوجعفر طبری، تاریخ صغیر و کبیر امام بخاری، تاریخ ابن حبان اور تاریخ ابن ابی خثیمہ بغدادی المتوفی ۲۹۹ھ وغیرہ ہیں۔

۵۔ آنحضرت ﷺ کے معجزات اور روحانی کارناموں کا الگ دفتر ہے جن کو کتبِ دلائل کہتے ہیں۔ مثلاً دلائل النبوت ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ، دلائل النبوت ابواسحاق حربی المتوفی ۲۵۵، دلائل امام بیہقی المتوفی ۴۳۰ھ، دلائل اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ، دلائل مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ، دلائل ابوالقاسم اسماعیل اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ۔ اور سب سے زیادہ مبسوط کتاب اس فن میں امام سیوطی کی خصائصِ کبریٰ ہے۔

۶۔ پانچواں ماخذ کتب شمائل ہیں یعنی وہ کتابیں جو آنحضرت ﷺ کے صرف اخلاق و

عادات اور فضائل و معمولات زندگی پر لکھی گئی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی اور سب سے مشہور کتاب امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ کی کتاب الشمائل ہے۔ جس کی بڑے بڑے علماء نے بیسیوں شرحیں لکھی ہیں اور سب سے ضخیم اور بڑی کتاب اس فن کی کتاب الشفا فی حقوق المصطفیٰ، قاضی عیاض کی اور اس کی شرح نسیم الریاض شہاب خفاجی کی ہے۔ اسی فن کی دوسری کتابیں شمائل النبی ابو العباس مستغفری المتوفی ۴۳۳ھ اور شمائل النور الساطع ابن المقری غرناطی المتوفی ۵۵۲ھ اور سفر السعادہ مجد الدین فیروز آبادی المتوفی ۸۱۷ھ کی ہیں۔

۷۔ اس سے الگ وہ کتابیں ہیں جو مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے حالات میں ہیں۔ جن میں ان شہروں کے عام حالات کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے مقامی حالات اور مقامات کے نام و نشان ہیں جن کو آنحضرت ﷺ سے کوئی تعلق ہے۔ اس قسم کی کتابوں میں سب سے قدیم اخبار مکہ للازرقی المتوفی ۲۲۳ھ اخبارِ مدینہ عمر بہ شبہ المتوفی ۲۶۲ھ، اخبار مکہ فاکہی، اخبار مدینہ ابن زبالہ وغیرہ ہیں۔

حضرات! میں نے سیرتِ مبارکہ کے تاریخی سرمایہ کا جو نقشہ آپ کے سامنے آج کے خطبہ میں پیش کیا ہے اس سے موافق و مخالف ہر ایک کو اندازہ ہوسکتا ہے کہ سیرتِ محمدیؐ کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟ صرف اس زبانی حفظ اور تحریری یادداشت ہی پر محدثینِ سلف اور خلفائے اسلام نے قناعت نہیں کی، بلکہ اس فن کے بڑے بڑے اماموں کے لیے مغازی کی تعلیم کی غرض سے درس گاہوں اور مسجدوں میں حلقے قائم کیے۔ حضرت قتادہؓ انصاری صحابی تھے۔ ان کے پوتے عاصم بن عمر جو مغازی کے امام تھے اور جنہوں نے ۱۲۱ھ میں وفات پائی ہے۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ کے حکم سے پایۂ تخت دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھ کر اس کا درس دیتے تھے۔ (۵۲)

غرض آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک سے لے کر اس وقت تک ہر زمانہ میں ہر ملک میں ہر زبان میں، آپ کے واقعات، حالت اور ارشادات میں جو کتابیں لکھی گئیں ان کا اندازہ کئی ہزار سے زیادہ ہوگا۔ اردو کا تحریری ذخیرہ سو دو سو برس سے زیادہ کا نہیں اس میں بھی ٹھوس تصنیف کا عہد ۱۸۵۷ء کے پس و پیش سے شروع ہوتا ہے۔ تاہم اس وقت تک کئی سو چھوٹی بڑی کتابیں اس موضوع پر اس میں

لکھی جا چکی ہیں۔

مسلمانوں کو چھوڑو کہ ان کا تو دین وایمان ہی اس سرکار کی عقیدت وغلامی ہے، دشمنوں کے کیمپ میں آ ؤ۔ ہندوستان میں ہندوؤں نے، سکھوں نے، عیسائیوں نے، برہمنوں نے، سماجیوں نے آپ کی سیرتیں لکھی ہیں۔ یورپ جس کو سرورِ کائنات علیہ ﷺ کے ساتھ عقیدت نہیں، وہاں بھی مشنری کی خدمت کے لیے یا علمی ذوق یا تاریخ عالم کی تکمیل کے لیے لائف آف محمد پر کتابیں لکھی گئیں۔ آج سے غالبًا سولہ سترہ برس پہلے دمشق کے ایک علمی رسالہ ''المقتبس'' میں شمارہ چھپا تھا کہ اس وقت تک یورپ کی مختلف زبانوں میں پیغمبر اسلام کے متعلق تیرہ سو کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اس کے بعد اس عہد کی اور کتابوں کو ملاؤ تو یہ شمار کہاں تک پہنچے گا۔ انگریزی زبان میں پروفیسر مارگولیس (Margoliouth) جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر ہیں، کی کتاب ''محمد'' سے جو ۱۹۰۵ء میں ہیروز آف دی نیشنس کے سلسلہ میں چھپی ہے، زیادہ زہریلی کوئی کتاب سیرت نبویؐ پر انگریزی میں نہیں لکھی گئی۔ اس میں اس شخص نے ہر واقعہ کے متعلق انتہائی سند بہم پہنچا کر اس کو بگاڑ کر دکھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ تاہم وہ اپنے مقدمہ میں اس حقیقت کے اعتراف سے باز نہ رہ سکا۔

''محمد کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے، لیکن اس میں جگہ پانا قابلِ عزت ہے''

The biographers of the Prophet Muhammmad form a long series it is impossible to end but in which it would be honourable to find a place.

جان ڈیون پورٹ صاحب نے ۱۸۷۰ء میں انگریزی میں سب سے زیادہ ہمدردانہ کتاب ''اپالوجی فار محمدؐ اینڈ دی قرآن'' لکھی ہے۔ اس کتاب کو وہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں۔

''اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقننین اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے وقائع

عمری محمدؐ کے وقائع عمری سے زیادہ تر مفصل اور سچے ہوں''

ریورنڈ باسورتھ اسمتھ (Baswortrsmith) فیلو آف ٹرینٹی کالج آکسفورڈ نے ۱۸۷۴ء میں ''محمد اینڈ محمڈنزم'' کے نام سے رائل انسٹیٹیوشن آف گریٹ بریٹن میں جو لیکچر دیئے تھے اور جو کتاب کی صورت میں چھپے ہیں اس میں ریورنڈ موصوف نے نہایت خوبی سے کہا ہے۔

''جو کچھ عام طور سے مذہب کی (ابتداء نا معلوم ہونے کی) نسبت صحیح ہے، وہی بدقسمتی سے ان تین مذہبوں اور بانیوں کی نسبت بھی صحیح ہے جن کو ہم کسی بہتر نام موجود نہ ہونے کے سبب سے تاریخی کہتے ہیں۔ ہم مذہب کے اولین اور ابتدائی کارکنوں کی نسبت بہت کم اور ان کی نسبت جنہوں نے ان کی محنتوں میں بعد کو اپنی محنتیں ملائیں شاید زیادہ جانتے ہیں۔ ہم زرتشت اور کنفیوشس کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں۔ موسیٰ اور بودھ کے متعلق اس سے کم واقف ہیں جو ہم امبرس (Ambrase) اور سیزر کے متعلق جانتے ہیں۔ ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے میں سے ٹکڑا جانتے ہیں۔ ان تیس برسوں کی حقیقت سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے جس نے تین سال کے لیے راستہ تیار کیا۔ جو کچھ ہم جانتے ہیں اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زندہ کیا ہے اور شاید اور بہت زیادہ کرے۔ ایک آئیڈیل لائف جو بہت دور بھی اور قریب بھی، ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی، لیکن اس کا کتنا حصہ ہے جو ہم جانتے ہی نہیں۔ ہم مسیح کی ماں، مسیح کی خانگی زندگی، ان کے ابتدائی احباب، ان کے ساتھ ان کے تعلقات، ان کے روحانی مشن کے تدریجی طلوع یا یک بیک ظہور کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں؟ ان کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے۔ لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دھندلا پن اور راز نہیں ہے، ہم تاریخ رکھتے ہیں، ہم محمدؐ کے متعلق اس قدر جانتے ہیں جس قدر لیوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں، میتھالوجی فرضی افسانے اور مافوق الفطرت واقعات ابتدائی عربی مصنفین میں نہیں، یا اگر ہیں تو وہ آسانی سے تاریخی واقعات سے الگ کیے جا سکتے ہیں، کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکہ دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو، یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے''۔ (۵۳)

آنحضرت علیہ وسلم صلی اللہ کی سیرت کے بیان میں مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھیں اور لکھ رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کتاب دوسرے انبیاء کی سیرتوں کے مقابلہ میں زیادہ صاف، زیادہ معتبر اور زیادہ تاریخی ہے۔ سیرت و اخبار نبوی کی ابتدائی کتابیں، ہر مصنف سے سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص نے سن کر اور پڑھ کر اور ان کا ہر ایک حرف سمجھ کر دوسروں تک پہنچائیں۔ حدیث کی پہلی کتاب موطا کو اس کے مصنف امام مالکؒ سے چھ سو آدمیوں نے سنا جن میں سلاطین زمانہ، علماء، فقہاء وحکماء، ادباء اور صوفیاء ہر طبقہ کے آدمی تھے۔ امام بخاریؒ کی تصنیف جامع صحیح کو صرف ان کے ایک شاگرد فربری سے ساٹھ ہزار آدمیوں نے سنا۔ اس احتیاط میں استناد اور اس اہتمام سے بتاؤ کس شارع یا بانی دین کی سیرت و اخبار کا مجموعہ مرتب ہوا اور یہ تاریخیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کس کے حصہ میں آئی؟

(ماخوذ از ''خطبات مدراس'')

☆☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ مقدمہ (انگریزی) الاصابہ فی تمییز الصحابہ، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۶۴ء

۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع، کتاب الانبیاء، حدیث ۳۴۶۱

۳۔ ایضاً، کتاب العلم، حدیث ۱۰۴

۴۔ مسلم بن حجاج، الجامع، کتاب الزھد، حدیث ۳۰۰۴، دارالسلام، ریاض

۵۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع، کتاب العلم، ۲۱۲/۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت

۶۔ ابوداؤد، السنن، ۷۷/۲

۷۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱۲۵/۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت

۸۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲/۱۲۵

۹۔ دار قطنی علی بن عمر، السنن، کتاب الزکاۃ، ۲/۲۰۹

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۲/۱۰۸۴

۱۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲/۱۷۱

۱۳۔ علی متقی ہندی، کنز العمال، ۳/۱۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۱۴۔ طبرانی، معجم صغیر، ص ۲۴۲، دار الباز، ریاض

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ علی بن عمر دار قطنی، سنن الدار قطنی، ۲/۴۸۵

۱۷۔ ایضاً، ۲/۴۵۱

۱۸۔ داری، السنن، ۱/۲۹۳، دار الفکر، بیروت

۱۹۔ دار قطنی، علی بن عمر، السنن، ۲/۴۵

۲۰۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴/۱۴۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت

۲۱۔ مسلم بن حجاج، الصحیح، ۲/۳۲۳

۲۲۔ ایضا، ۲/۳۰۷

۲۳۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۲/۲۱۱، دار الفکر، بیروت

۲۴۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع، ۲/۵۸۶

۲۵۔ مسلم بن حجاج، الصحیح، مقدمہ، ۱/۱۱

۲۶۔ ترمذی، کتاب العلل، ص ۶۹۱

۲۷۔ دارمی، السنن، ۱/۶۹

۲۸۔ ترمذی، الجامع، ۲/۱۱۳

۲۹۔ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۸/۴۹، دار الفکر، بیروت

۳۰۔ ایضاً، ۱/۳۱۶

۳۱۔ ایضاً، ۶/۲۱۱

۳۲۔ ایضا، ۴/۱۹۸

۳۳۔ ترمذی، کتاب العلل ،ص ۶۹۱ ؛ دارمی ،السنن ،۱/ ۶۸

۳۴۔ ابن حجر عسقلانی ، فتح الباری ،۱/ ۱۸۴۔۱۸۵

۳۵۔ دارمی ،السنن ،۱/ ۶۸

۳۶۔ ایضاً

۳۷۔ ابن سعد ،الطبقات الکبریٰ ،۲/ ۱۲۳

۳۸۔ ابن قیم جوزی ، زادالمعاد ،۲/ ۵۷

۳۹۔ طبری ، محمد بن جریر ، تاریخ الرسل والامم ،۵/ ۱۲۸

۴۰۔ دارمی ،السنن ،۱/ ۶۷

۴۱۔ ایضاً ،ص ۶۹

۴۲۔ ایضاً

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ جامع ،۱۷

۴۵۔ ایضاً ،۳۳

۴۶۔ ایضاً ،۳۳

۴۷۔ ایضاً ،۳۳

۴۸۔ ابن حنبل ،المسند ،۵/ ۱۸۲

۴۹۔ جامع ،۳۷

۵۰۔ ابن سعد ،الطبقات الکبریٰ ،۲/ ۱۳۵

۵۱۔ ابن حجر عسقلانی ،تہذیب التہذیب ،۶/ ۱۱۲

۵۲۔ ایضاً ،۴/ ۱۲۹

۵۳۔ Bosworth Smith, Muhammad and Muhammednism, P,14,15, Trinity College Oxford. 1889.